Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English
ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)
Home Page: http://www.arjish.com
Approved by HEC in "Y" Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan
Website: www.arjish.com
Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020
This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International License

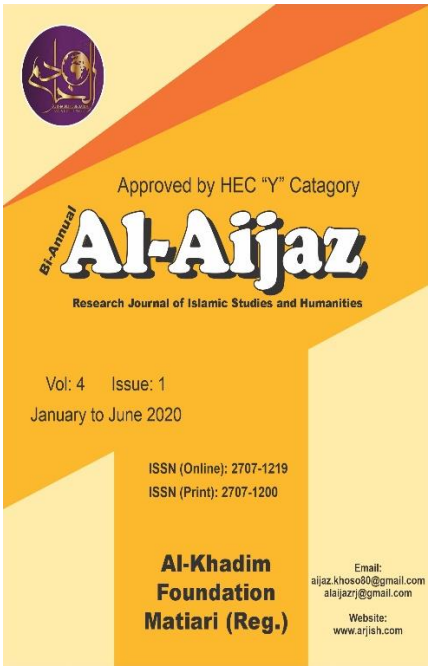

TOPIC:

Utilization of the Thoughts of Chishti Sufis in Monastic System

AUTHORS:

1. Sadia Noreen, Lecturer, Department of Islamiyat, Govt. Sadiq College for Women University, Faisilabad/ Ph.D Scholar, G.C. University Faisalabad.
Email: sadianoreen611@gmail.com, ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-8627-8665
2. Humayoon Abbas, Professor, Department of Islamiyat, Govt. College University, Faisalabad.
Email: drhumayunabbas@gduf.edu.pk, ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-6630-3157

How to cite:
Noreen, S., & Abbas, H. (2020). U-7 Utilization of the Thoughts of Chishti Sufis in Monastic System. Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities, 4(1), 91-105.
https://doi.org/10.53575/u7.v4.01.91-105
URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/93

Vol: 4, No. 1 | January to June 2020 | Page: 91-105

Published online: 2020-06-30

QR Code

خانقاہی نظام میں صوفیہ چشت کے افکار سے استفادہ

Utilization of The Thoughts of Chishti Sufis in Monastic System

Sadia Noreen*
Humayoon Abbas**

Abstract
The ancient path of Chishti Sufi as it is known in the Indo-Pak, is the inward dimension of Islam, essentially Islamic mysticism. Chishti order practitioners seek to find the truth of divine love and knowledge through direct personal experience of the Beloved. The teaching of Chishti order is the way to God via spirituality rather than through reason, and it celebrates the intimate relationship of the seeker with Allah. The Chishti order teachings and practices of the Sufis have great relevance for seekers today, and can help you to deepen your spiritual practice . *The Chishti Sufis say that the reason of the whole creation is that the perfect Being wished to know Himself, and did so by awakening the love of His nature and creating out of it His object of love.* The Chishti Sufi responds with loving-kindness and harmony towards those who harm them, for they see everything in themselves and themselves in everything, and because of this it is said that the highest form of human love is 'God love'. The Chishti Sufi traditions have a well-developed philosophical psychology, which includes dream interpretation. Chishti Sufi's stand above all of us in their deeds and actions. Chishti sufis spent their whole life span in loving almighty and sharing their love with us. For restoring peace, harmony, love and brotherhood across the universe and religions, we all must follow Chishti Sufi ways unquestionably.
Keywords: Custom, Jurisprudence, Qur'an, Sunnah, Society.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل عظیم ہے کہ اس نے انسان کو یہ شرف بخشا۔ بندگانِ خدا اور مالک ایزدی کے درمیان ایک خاص تعلق ہے جس کی معراج انسان کا مقام عبدیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنے ساتھ اس خاص تعلق میں قائم رہنے کے لیے انسان کی ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بنایا۔ ہدایت بنی نوع انسان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی پسندیدہ ہستیوں کو رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا۔ سلسلہ نبوت کے اختتام پذیر ہونے کے بعد ہدایت بنی نوع انسان کے اس نبوی فریضہ کی ذمہ داری تمام امت پر بالعموم اور علماء والیاء پر بالخصوص عائد ہوتی ہے۔

چنانچہ امت مصطفیٰ کے اولیاء ہر دور میں اصلاح نفس اور پھر اصلاح معاشرہ میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں صوفیائے چشت نے معاشرے کے کسی بھی پہلو کی اصلاح سے رخ نہیں موڑا اور جہاں اصلاح کی ضرورت پیش آئی بہترین انداز میں اصلاح کی۔ مشائخ چشت کی اصلاحی جدوجہد کا مرکز ان کی خانقاہیں تھیں۔ خانقاہ ایک ایسی تربیت گاہ ہوتی تھی جہاں پہنچ کر بڑے سے بڑے گنہگار کی ذہنی آب و

* Lecturer, Department of Islamiyat, Govt. Sadiq College for Women University, Faisilabad/ Ph.D Scholar, G.C. University Faisalabad.
sadianoreen611@gmail.com, ORCID ID (0000-0002-8627-8665)
** Professor, Department of Islamiyat, Govt. College University, Faisalabad.
drhumayunabbas@gduf.edu.pk, ORCID ID (0000-0002-6630-3157)

ہوا بدل جاتی تھی۔ تقویٰ، دین داری، خلوص اور توکل کا یہ ماحول انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ پھر شیخ کو ایک علیحدہ اور مخصوص مقام پر بہترین انداز سے عوام الناس کی اصلاح کا موقع مل جاتا تھا۔ یہ خانقاہیں اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز تھیں۔ عصر حاضر میں صوفیہ کی خانقاہیں موجود تو ہیں لیکن اب ان خانقاہوں میں مختلف قسم کی خرافات نے جنم لے لیا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں اصلاح معاشرت کے ضمن میں خانقاہی نظام میں صوفیائے چشت کی اصلاحات اور ان کے افکار کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا اور ان صوفیہ کو درپیش خانقاہی نظام کے مسائل کا عصر حاضر میں پیش آمدہ خانقاہی مسائل کے ساتھ تطبیقی جائزہ لیتے ہوئے ان صوفیہ کی خدمات سے عصر حاضر میں استفادہ کی کوشش کی جائے گی کیونکہ مسلم معاشرے میں خانقاہی نظام کو وہی اہمیت حاصل ہے جو سلطنت مدینہ میں اصحاب صُفہ والے ادارے کو حاصل تھی۔ صوفیہ خانقاہی نظام میں جن معمولات کی طرف توجہ دیتے ہیں اُن میں سماج کی خدمات کے لیے رہبروں کو تیار کیا جاتا ہے وہ لوگ جنہوں نے معاشرے میں تبلیغ دین اور درس و تدریس کے سلسلے کو آگے لے کے چلنا ہے اور لوگوں کی روحانی تربیت کا بیڑا اُٹھانا ہے اُن لوگوں کی تربیت جس ادارے میں کی جاتی ہے اس کو صوفیہ خانقاہ کا نام دیتے ہیں مزید برآں اس خانقاہی نظام کا ایک حصہ سوشل ویلفئیر کے لیے بھی مختص ہوتا ہے۔ جس میں عوام الناس کی تعلیم و تربیت، علاج معالجہ اور کھانے پینے کا وسیع و عریض بندوبست کیا جاتا ہے جسے عموماً لنگر خانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خانقاہی نظام کی جزئیات میں درج ذیل شعبے شامل ہیں۔

۱۔ نظام تربیتِ عامہ

۲۔ روحانی تربیت و اصلاح مریدین و خلفاء

۳۔ نظام درس و تدریس

۴۔ ویلفئر ٹرسٹ

سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں تربیت عامہ اور عوام الناس کی مذہبی دوری کا عالم یہ تھا کہ قرآن مجید کو محض برکت کے لیے گھروں میں رکھا جاتا اور شاذ و نادر اس کی تلاوت محض برکات حاصل کرنے کے لیے کی جاتی۔ معاشرت جو کہ دین اسلام کی اصل ہے۔ دین کا معاشرت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ چند ایک مذہبی رسومات اور عبادات کا نام دین سمجھا جاتا تھا۔ باقی تمام رسومات میں دینِ اسلام کی بجائے برصغیر کا کلچر رائج تھا جس میں ہندومت کا اثر غالب تھا اور عمومی طور پر مسلمان اسی تہذیب کو اپنائے ہوئے تھے۔ صوفیہ چشت کا خاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس دور میں خانقاہی نظام کو قائم کر کے زمانے کو منظم و تربیت یافتہ مربی اور معلم مہیا کیے جنہوں نے معاشرے میں دین کی اقدار کی روح پھونکی اور اسلامی معاشرے کو زندہ کیا اس کی تشکیل نو کی۔ چنانچہ صوفیہ کرام نے سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کی اور خانقاہی نظام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے اصول وضع کیے اور خانقاہی نظام کو مرکزیت بخشی۔ اس کار خیر کا آغاز شاہ کلیم اللہ دھلوی نے کیا۔ وہ سنگ میل اٹھارھویں صدی میں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ اور خواجہ محمد عاقل کے دور میں حاصل ہوا۔ اس مرکزی نظامِ تربیت اور معاشرتی مسائل کے حل کی خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

ا۔ خانقاہی نظام تربیت کے اصول:

وہ جگہ جہاں سے مربی لوگ نکلتے تھے اور عوام الناس کے لیے بھی اصلاح و تربیت کا نظام موجود ہوتا ہے صوفیہ چشت نے وہاں کے نظام تربیت کے لیے درج ذیل اصول اپنائے اور مرکز کی طرف سے ہر علاقے میں پیش آمدہ معاشرتی مسائل کے مطابق حل پیش کیا جاتا تھا۔ یہ اُصول صوفیہ کرام کی تعلیمات سے اخذ کیے گئے ہیں جن کی تفصیلات پچھلے ابواب میں گزر چکی ہیں۔

i۔ احیائے دین کی کوشش میں اور اعلائے کلمۃ الحق کی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہا جائے اور تادم مرگ اپنی زندگی کا صرف یہی مقصد رکھا جائے۔

ii۔ ایصالِ خیر میں ہمیشہ خلوص نیت سے کام لیا جائے۔

iii۔ مذہبی رواداری دینِ متین کی ترویج کے لیے نہایت اہم ہے۔ لہٰذا مذھبی رواداری کو حدود و قیود میں رہتے ہوئے اپنایا جائے۔

iv۔ مریدین کو اصلاح و تربیت کی طرف لایا جائے اور بدعات کو قطعی طور پر معاشرے سے ختم کرنے کے لیے کوششیں کی جائیں۔

v۔ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق انہیں کی زبان میں بات کی جائے اور مقصد دین متین کو اس کی روح کے مطابق سمجھانا ہے۔

vi۔ اپنی ذات کی نفی کر کے محض لوگوں کو دنیاوی اور اخروی نجات کے لیے دین متین کی طرف لایا جائے۔ اور اپنے اپنے علاقوں میں باقاعدگی کے ساتھ ایسے حلقے قائم کیے جائیں کہ جہاں دروس قرآن و حدیث کا انتظام ہو اور عوام تک پیغام پہنچایا جائے۔

vii۔ ہر مربی یا خلیفہ اپنے دن اور رات کے معمولات کو باقاعدگی سے قائم رکھیں اور حدیث و فقہ اور سلوک کی کتب کا مطالعہ اپنے معمولات میں رکھیں۔

اس نظام کے تحت تربیت پانے والے خلفاء جب وہاں سے نکلتے تھے تو دہلی کا وہ خانم بازار جہاں لوگ عیش و عشرت کے لمحات گزارنے کے لیے آیا کرتے تھے وہاں شاہ کلیمی خانقاہ میں عوام الناس کے لیے مفت تعلیم اور رہائش کی مکمل سہولیات کے ساتھ وسیع لنگر خانے کا بھی انتظام تھا چنانچہ وہ جگہ جہاں لوگ شب باشی کے لیے آتے تھے وہاں وہ شب بیداری کے لیے آنے لگے۔ قرآن و حدیث کے دروس کے حلقے قائم ہونے لگے۔ شاہ کلیم اللہؒ کا درس حدیث رفتہ رفتہ پورے برصغیر میں مشہور ہو گیا اور آپ سے سند فراغت اور خلافت حاصل کرنے کے بعد جو لوگ اس خانقاہ سے معاشرتی اصلاح کے لیے نکلتے وہ اپنے مرکز کے انہی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے آگے بڑھتے۔ خانم بازار کے مدرسے کا درس حدیث اس قدر مشہور تھا کہ حضرت مظہر جان جاناں جیسے بزرگ بھی طلباء کی صف میں آ بیٹھتے اور درس حدیث سے استفادہ کرتے۔[1]

چنانچہ اس محنت کا ثمر تھا کہ اسی طرح کی خانقاہ اورنگ آباد میں قائم ہوئی، پھر مہار میں، ملتان میں تونسہ میں کوٹ مٹھن میں غرض یہ کہ پنجاب بھر میں، بہار میں اور بنگال میں بھی یہ خانقاہیں منظم انتظام کے ساتھ قائم ہوتیں جہاں لوگوں کو حدیث کی تعلیم دی جاتی، زندگی کے عوامل میں مسائل سمجھائے جاتے اور علماء و فضلاء کو معاشرے کے لیے تیار کیا جاتا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ معاشرتی مسائل کے حل میں اس قدر

کامیاب ہو جاتے ہیں کہ عوام الناس کی زندگیوں میں بدعت کی جگہ سُنت لے لیتی ہے اور مفت تعلیم کے اس سلسلے نے لوگوں کو اس طرف راغب کیا لوگ اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے خانقاہ چشتیہ کی طرف رجوع کرتے۔

ان خانقاہوں سے مثل اصحاب صفہ جو لوگ نکلتے وہ دُنیا سے قطعی طور پر تارک اور اہلیت کا علم بلند کیے معاشرتی اصلاح کے لیے کوشاں نظر آتے۔

i۔ خلیفہ کے انتخاب کے اصول :

خانقاہی نظام کو مزید منظم کرنے کی غرض سے صوفیہ کرام نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے بھی اُصول قائم کیے تاکہ اِن خلفاء کے ذریعے علمِ دین کی ترویج واشاعت کی جاسکے۔ وہ اُصول درج ذیل ہیں۔

۱۔ خلافت دینے کا مقصد اشاعتِ دین اور معاشرتی تشکیل نو ہے۔ دنیاوی جاہ وحشمت حاصل کرنا قطعاً نہیں۔

۲۔ جس کو خلافت دی جائے اس کے تفصیلی حالات کو دیکھا جائے اور مرکز کو لکھے جائیں تاکہ اُس کی اہمیت اور صلاحیت کا اندازہ ہو سکے۔

۳۔ صرف اہل علم شریعت کو خلافت دی جائے۔ جو شخص شریعت کا علم نہیں جانتا وہ خلافت کا اہل نہیں۔

۴۔ بیعت کرنے کے بعد فوراً اذن بیعت نہ دیا جائے۔[۲]

ii۔ صوفیہ خام کی تربیت:

معاشرتی بیماریوں میں مختلف بیماریوں کی وجہ صوفیہ خام تھے۔ جیسا کہ علم شریعت کو جانے بغیر مسند ارشاد پر فائز ہو کر لوگوں کے عقائد اور ان کی سادگی کے ساتھ کھیلنا۔ تعویز گنڈوں کا رواج عام کرنا اللہ پر توکل کی بجائے چلہ کشی پر توکل کرنا اور بُری رسومات جیسے پیر کا اپنی خواتین مریدوں کے لیے محرم کی سی حیثیت حاصل کرنا، بدعات کو فروغ دینا یہ سب وہ عوامل ہیں جن کی بڑی وجہ صوفیہ خام ہیں۔ صوفیۂ چشت سماجی مسائل کے حل میں اس بڑی وجہ کو بھی حل کیے بغیر نہ رہتے بلکہ صوفیہ خام کی وہ درگت بناتے کہ یا تو معاشرتی طور پر وہ اس قابل نہ رہتے کہ مزید لوگوں کو گمراہ کریں یا پھر راہ راست پر آجاتے۔ چنانچہ اس ضمن میں شاہ کلیم اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ ملحد جنہوں نے شریعت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ملحدانہ باتیں لقمۂ چرب حاصل کرنے کے لیے بکتے ہیں اور متشرع لوگوں کو بے حقیقی کا طعنہ دیتے ہیں یہ سزا کے قابل ہیں ان کی توحید بے معنی ہے۔ وہ حال سے خالی ہیں اور ایسے احمقوں کی صحبت سے عوام الناس کو بچانے کے اقدامات کیے جائیں۔[۳]

ایک مرتبہ سلطان المشائخ کے عرس کے موقع پر صوفی خام صوفی یار محمد اور اس کے مریدین ناچ وغیرہ کی محفل سجائے بیٹھے تھے کہ شاہ فخر الدین دہلویؒ کو علم ہوا آپ پہنچے اور فرمایا کہ بزرگوں نے خونِ جگر پی کر قوالوں کے سماع کو اباحت کا درجہ دیا ہے۔ پھر اس کے گریبان کو پکڑ کر کھینچا اور لوگوں کو عرس کی اصل روح کے متعلق وعظ فرمایا۔ چنانچہ صاحب فخر الطالبین رقمطراز ہیں کہ :

''وانگشتان دست مبارک خود را اور گریبان آنہا انداختہ طرف خود کشیدند و فرمودند کہ بزرگاں مایاں بسیار خون جگر خوردہ سماع قوالاں را بدرجہ اباحت رسانیدہ اند و شمار قص می بینید و سماع ایشاں می شنوید۔''[۴]

یعنی خواجہ فخر الدین نے ایک دفعہ عرس سلطان المشائخ کے موقع پر خواتین کے رقص کے بارے میں سُنا تو تشریف لے گئے آپ کے غصہ کی انتہائی نہ رہی۔اور سر کردہ لوگوں کے گریبان میں انگلیاں ڈال کر فرمانے لگے کہ ہمارے بڑوں نے سماع کو اباحت کے درجہ تک پہنچانے میں خاصاخون جگر دیاہےاور تم ہو کہ عورتوں کا رقص دیکھتے ہوئے ان کا گانا سُنتے ہو۔

خواجہ فخر الدین نے صوفیہ خام کو عین موقع پر ان کے ساتھیوں سمیت پکڑ کر نہایت سختی سے پیش آنااور دین حق،دین متین کی طرف دعوت دینا یہ دراصل اُسی نظام خانقاہیت کے مثل اصحاب صفہ لوگ تھے کہ جو خانقاہوں میں علم و مجاہدہ کو محض معاشرتی تشکیلِ نو کے لیے رسم شبیری ادا کرنے کے لیے حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ صوفیۂ چشت میں حافظ محمد علیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ شاہ یوسف کے مزار پر جب حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہاں طوائف کا ناچ ہو رہا تھا آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ نے مشائخ کو للکار کر فرمایا کہ :

''یہ بال تمہاری ڈاڑھی کے نہیں بلکہ زنار کے تار ہیں۔اولیاءاللہ کے مزارات پر ایسا فسق و فجور ہوتا ہے اور تم دیکھتے ہو؟''(۵)

صوفیہ چشت کی بالغ نظری ہر گمراہ روش کو دیکھ لیتی تھی اور وہ صوفیۂ خام کے خطرناک اثرات سے فوراً آگاہ ہو جاتے تھے۔اس خطرے سے بھی آگاہ تھے کہ لوگ محض روحانی استمداد پر بے جا یقین رکھتے ہیں چنانچہ انہوں نے صاف طور پر لوگوں کو آگاہ کیا کہ تم جس طرح سے اپنے پیر سے استمداد کرتے ہو اور کائنات کے کاموں میں اس استمداد کے دخل کو خیال کرتے ہو یہ محض باطل ہے اور ایک خدائے واحد و یکتا پر صحیح عقیدہ کے ساتھ ایمان رکھو اور ان صوفیہ خام کی پیروی سے باز آجاؤ چنانچہ شاہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ :

''التجاد تکیہ بہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ باید کرد نہ بغیر او۔''(۶)

شاہ صاحب نے ایسے غلط اعتقادات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا کہ قدرت کے کارخانے میں کسی چیز کو دخل نہیں۔وہاں صرف اور صرف انسانی اعمال سے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔حق تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے اور انسان کو چاہیے کہ اس حکمت کو سمجھنے میں کوشاں رہے نہ کہ صوفیہ خام کی اتباع کرے۔

صوفیۂ خام کو تلقین کرتے ہوئے شاہ نور محمد مہارویؒ فرماتے ہیں کہ ایک غیر شرعی عمل بندے کو مرتبہ ولایت سے نیچے پھینک دیتا ہے اور تم متصوفین کے طائفہ میں اپنے آپ کو کیسے شمار کرتے ہو جبکہ اکثر بدعات کو ترویج دیکر لوگوں کے عقائد سے کھیلتے ہو مزید برآں صوفیہ چشت اس بات کو بھی عام کرتے تھے کہ روحانی صفائی محض اتباعِ شریعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔جب صوفیۂ چشت لوگوں کو شریعت سے اجتناب کرتے ہوئے دیکھتے تو صدمہ سے دوچار ہو جاتے۔(۷)

صوفیہ چشت صوفیہ خام کی تردید کے ساتھ ساتھ اُن کے ہم قدم و ہم رکاب علمائے سو کا بھی تعاقب کرتے تھے تاکہ مسائل پر قابو پایا جاسکے۔چنانچہ وہ علماء سو کو تنبیہ کرتے تھے کہ علم سے اصل مقصود عمل ہدایت ہے اور حق تعالیٰ کی محبت کا حصول ہے نہ کہ جاہ و حشمت،دنیاداری اور شہرت ہے۔علماء سو کو تلقین فرماتے تھے کہ :

''ازامر غیر مشروع دور باشد۔''(۸)

''یعنی غیر مشروع امر سے دور رہو۔''

عصر حاضر میں اگر ہم صوفیہ چشت کے خانقاہی نظامِ تربیت کے اصولوں کو سامنے رکھیں تو خانقاہی نظام کو اپنی اصل کی طرف لایا جاسکتا ہے۔ آج اگر ہم غور کریں تو صوفیہ خام کی زمانے میں بہتات ہے۔ کہیں گدی نشینی کے جھگڑے دیکھنے کو ملتے ہیں تو کہیں سجادہ نشین مکمل طور پر علم شریعت سے یکسر بیگانہ نظر آتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ حضرت سلطان باھوؒ جیسے عظیم صوفی بزرگ کی خانقاہ پر علم دین کی ترویج و اشاعت کی بجائے گدی نشینی کے جھگڑوں میں لوگوں کا قتل تک ہو جاتا ہے۔ تونسہ کی وہ خانقاہ جو شاہ سلیمان تونسویؒ کے وقت میں ایک مثالی خانقاہ تھی آج محض سیاسی حلقوں کی نذر ہو کر رہ گئی اور دو طرح کی گدیاں وہاں سے چل رہی ہیں اور گدی نشینی کا جھگڑا اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ شاہ سلیمان کے خانوادہ میں لوگ محض گدی نشینی کے جھگڑے کی بناء پر ایک دوسرے سے ملنا تک پسند نہیں کرتے۔ جب کہ صوفیہ چشت کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو انھوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے بھی زرین اصول پیش کیے تاکہ دعوتِ دین، علم دین کی ترویج اور معاشرتی اصلاح کا فریضہ انجام دیا جاسکے۔ آج بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر مخلوط نظام کو ختم کر دینا چاہیے اور سخت قانون سازی کے ساتھ کڑی سزا ہونی چاہیے۔ اس ضمن میں محکمہ اوقاف کو فعال کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مشاہدہ میں ہے کہ بابا فرید الدینؒ کے دربار پر جس جگہ قوالی ہوتی ہے وہاں مرد و زن ایک ہی حلقہ میں بیٹھ کر قوالی سُن رہے ہوتے ہیں۔ ایک تو قوالی کی جو صنف آج موجود ہے اس میں اصلاحات اور کلام کے انتخاب میں تعلم کی ضرورت ہے اور دوسرا صنف قوالی کو سماع کے ان اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے کہ جو اصول صوفیۂ چشت نے وضع کیے۔

پھر اس زمانے میں وہی معاشرتی برائی عام ہے کہ جس میں پیر کا تصور محض ایک استمدادی حیثیت تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ لوگ عصر حاضر میں پھر اُسی گمراہ روش پر قائم ہیں۔ کہیں کوئی خانقاہ اپنی اصل روح کے مطابق چلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ آج پھر اُسی طرح معاشرتی اصلاح کے لیے نشاۃ ثانیہ کی ضرورت ہے کہ جیسے سترھویں صدی میں شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے کی۔ صوفیہ چشت کے انہی وضع کردہ اصولوں کے پیش نظر ایک منظم خانقاہی نظام کے احیاء کی ضرورت ہے جس کے لیے ہم صوفیہ چشت کے بنیادی اصولوں (بیان کردہ) سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ روحانی تربیت واصلاح مریدین وخلفاء:

صوفیہ چشت کا ایک اور اصول جو کہ آج کہیں نظر نہیں آتا وہ دنیاوی جاہ و حشمت کو چھوڑ کر امراء و سلاطین اور حکمرانوں سے یکسر علیحدگی اختیار کر کے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے محنت کرنا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں صوفیہ چشت حکمرانوں سے کنارہ کش نظر آتے ہیں۔ جبکہ موجود دور میں انہیں صوفیہ چشت کی خانقاہوں کو آباد کرنے کا دم بھرنے والے محض جاہ و حشمت کے حصول کے لیے حکمرانوں کے ساتھ قدم بہ قدم چلتے ہیں۔ کہیں کوئی رمق اصلاح کی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ، تونسہ شریف، اُچ شریف، یہاں تک کہ بھیرہ شریف کے گدی نشین بھی حکمرانوں کی صفوں میں نظر آتے ہیں۔ اگر ان صفوں میں اصلاح کے لیے جانا ہو تو یہ قرآنی اصول کے عین مطابق ہے کہ جیسے

حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے دربار میں جانے کا حکم دیا۔ مگر ان گدی نشینوں کی حکمران جماعتوں میں موجودگی کا اصلاح اور سماجی مسائل کے حل سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔

ان نامساعد حالات کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ صوفیہ چشت کی ذریت ہونے کے دم بھرنے والے اور خانقاہی نظام کے روح رواں کس طرح محض دنیا طلبی کی طرف متوجہ ہیں جبکہ شاہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ :

''سالک را باید کہ از صحبت اھل دنیا دور باشد کہ قرب ایشاں ھلاکتِ جاں است و قرب سلطان آتش سوزاں باشد۔''(۹)

''یعنی سالک کو اھل دنیا کی صحبت سے دور رہنا چاہیے کہ ان کی قربت ہلاکت جاں ہے اور قرب سلطان آتش سوزاں ہے۔''

مگر آج حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے سلوک کا دم بھرنے والے امیر ترین مرید کی تلاش میں نظر آتے ہیں اور حکمرانوں کے ساتھ گہرے تعلقات کو استوار رکھ کر اُن کی صفوں میں محض جاہ و حشمت کے لیے شامل ہونے کو اپنی بقاء تصور کرتے ہیں۔ اس وقت پنجاب اور سندھ میں شاید ہی کوئی ایسی خانقاہ ہو جہاں صوفیہ خام کی یہ بیماریاں نہ پائی جاتی ہوں۔ خانقاھوں پر کروڑوں روپے کے نذرانوں کو پیش کرنا عین حق مریدی سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف قبور اولیاء پر سجدہ تعظیمی ہو، قبور کا طواف ہو، شعائر اسلامی کا مذاق اڑایا جائے ان سب غیر شرعی عوامل کو صاحب قبر کی قربت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور ان عوامل کو قلبی و روحانی صفائی کا موجب گردانا جاتا ہے مثل شاہ کلیم اللہ آج بھی ہر معاشرہ تشنہ لب ہے کہ کوئی تو ہو جو خانقاہ سے نکل رسم شبیری ادا کرے۔

عصر حاضر کے یکسر برعکس صوفیۂ چشت ہمہ وقت مریدین اور خلفاء کی اصلاح میں کوشاں نظر آتے ہیں اور اتباع شریعت کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں چنانچہ شاہ نور محمد مہارویؒ کے متعلق آتا ہے کہ معاشرے کے نباض تھے اور معاشرتی برائی کو بالکل ایک ماہر و نباض طبیب کی طرح جانتے اور اس کے حل کے لیے کوشاں ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اپنے مریدین کو اتباع شریعت کی تلقین یوں فرماتے ہیں کہ :

''قالب را موافق شریعت کردن و انظمام قلب با اتباع شریعت است۔''(۱۰)

''کہ اپنے قالب کو شریعت کے عین مطابق و موافق کرلو اور انضمام قلب محض شریعت مطہرہ کی اتباع سے ہو۔''

صوفیہ چشت، صوفیہ خام کی ایک اور معاشرتی بیماری کو جانتے تھے اور سختی سے اس کی ممانعت فرماتے تھے وہ بیماری رہبانیت کی ہے۔ صوفیہ خام اکثر عوام الناس سے کنارہ کش ہو کر چلہ گاہوں کا رُخ کرنے کو ہی حقیقی تصوف سمجھ بیٹھے تھے اور لوگ بھی ہر میلے کچیلے شخص کو مجذوب جان کر طرح طرح کی خرافات کو اپناتے۔ چنانچہ شاہ مہارویؒ نے اس کی سخت مخالفت کی اور بتلایا کہ اصل دین اور اصل تصوف لوگوں کے درمیان رہ کر اصلاحِ معاشرہ ہے۔ چنانچہ اُن کا یہ عمل درج ذیل آیت قرآنی کی روشنی میں ہے :

''کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ۔''(۱۱)

''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی بھلائی) کے لیے چن لیا گیا، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے منع کرتے ہو۔''

جیسے عیسائیت میں رہبانیت کو روحانیت تصور کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح ہندومت کے خلط اعمال کو بھی اسلامی تصوف کی حقیقت سے عبارت

کیا جانے لگا۔ صوفیہ چشت نے اس بُرائی کا بھی تعاقب کیا۔ لیکن عصر حاضر میں پھر یہ برائی اپنی اصل کے ساتھ موجود ہے۔ رہبانیت اور چلہ کشی اس حد تک پنپنے لگی ہے کہ سندھ کے علاقہ دار و میں ایک بزرگ اپنی قبر کھود کر اُسی میں رہتے ہیں اور لوگ نذر نیاز اور دعا کے لیے اسی قبر کے باہر کھڑے ہوتے ہیں پیر صاحب جو کہ قبر کے اندر موجود ہوتے ہیں وہ صداء دعا لگاتے ہیں اور لوگ اسی سے استمداد حاصل کرتے ہیں۔ کھلی قبر میں موجود یہ پیر صاحب تصوف اور اسلام کے نام پر ایک دھبہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا شعائر اسلامی کی اصل سے کوئی تعلق نہیں۔

یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ ناقدین اصحاب صفہ کی ظاہری حالت کو فقر سے تشبیہ دیتے ہیں اور فقر و غنا کی اصل اسی کو سمجھتے ہیں کہ یوں اسی حالت میں رہنا دراصل تصوف ہے۔ جبکہ ایسا ہر گز نہیں۔ اُن کی اس حالت زار کی وجہ اُن کے معاشی وسائل کی کمی تھی جس کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلی طور پر مخیر ہو کر بدرجہ اتم پورا کیا اور ضروریات زندگی فراہم کرتے رہے۔ اس ضمن میں یہ بات کرنا ضروری ہو گا کہ امہات کتب تصوف سے لے کر ملفوظاتی و مکتوباتی ادب برصغیر تک، کسی بھی صوفی نے پاکیزگی کو ترک کرنے اور رہبانیت اختیار کرنے کو فقر و غنا اور مجذوبیت سے تعبیر نہیں کیا۔ بلکہ غنا کی اصل یہ ہے کہ دنیا کی چاہت یعنی حب دنیا اور جاہ و حشمت کے حصول سے غنی ہوا جائے نہ کہ اس کا مقصد رھبانیت ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں سید علی ہجویریؒ، امام باقر بن زین العابدین کا قول نقل کرتے ہیں کہ :

"التصوف هو الخلق فمن زاد عليک فی الخلق زاد عليک فی التصوف۔"(۱۲)

"تصوف دراصل خلق کا نام ہے جو خلق میں اضافے کرتا ہے وہی دراصل تصوف میں اضافے کو پاتا ہے۔"

صوفیہ چشت بھی جابجا دُنیا سے بے رغبتی اور بے اعتناہی کو بیان کرتے ہوئے رہبانیت کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ :

"سالک را چند چیز و ر دنیا چارہ نیست و آں را صوفیہ کرام از دنیا نمی شمارند بلکہ زا امور دینیہ انگارند، چنانچہ قوت ضروری برائے عبادت، جامہ ضروری بنا بر ستر عورت و آب ضروری بہ جہت بقاء حیات و مسکن ضروری برائے عبادت و علم ضروری برائے عم۔"(۱۳)

"سالک کو دنیا کی چند چیزوں کے بغیر چارہ نہیں اور ان کو صوفیائے کرام دنیا شمار نہیں کرتے بلکہ ان کو امور دینیہ میں شامل کرتے ہیں۔ چنانچہ غذا جو عبادت کے لیے ضروری ہے اور کپڑا جو ستر کے چھپانے کے لیے درکار ہو اور پانی جو بقائے حیات کے ضروری ہے اور مسکن عبادت کے لیے ضروری ہے اور علم برائے عمل۔"

صوفیۂ چشت شعائر اسلامیہ کی عین مطابقت کے ساتھ رہبانیت کا رد کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں رہبانیت سے متعلق ارشاد ہے کہ :

"ورهبانية نابتدعوها ما كتبناها عليهم إلا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها۔"(۱۴)

"اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے یہ بدعت نکالی۔ پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا وہ ادا نہ کیا۔"

رہبانیت رہب سے نکلا ہے۔ اس کے معنی خوف کے ہیں اور یہ دینِ حق میں کبھی بھی شامل نہیں رہی۔ خاتم المرسلین ﷺ کا

فرمان ہے کہ :

''ولا رهبانيه فينا۔''(۱۵)

اسلام میں رہبانیت نام کی کوئی چیز نہیں اور صوفیۂ چشت نے ہمیشہ اس معاشرتی بُرائی کا تدارک کیا ہے مسلم شریف کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں صوم وصال رکھوں گا۔ کبھی ناغہ نہ کروں گا دوسرے نے کہا کہ میں نماز پڑھوں گا اور ساری رات صرف نماز پڑھوں گا۔ ایک تیسرے صحابی نے عرض کیا کہ میں تجرد کی زندگی بسر کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :

''والله انی لا خشاكم الله واتقاكم له لكنی اصوم وافطر واصلی وارقدو التزوج النساء فمن رغب عن سنتی فليس منی۔''(۱۶)

''خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں میرا طریقہ یہ ہے کہ میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا (نفلی روزہ) راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورت سے نکاح بھی کرتا ہوں جو میرے طریقے سے بے رغبتی اختیار کرے وہ مجھ سے نہیں۔''

آج بھی رہبانیت کا ناسور معاشرے میں پنپنے لگا ہے۔ جس کو ختم کرنے کے لیے صوفیہ چشت کی ان تعلیمات سے استفادہ ضروری ہے۔

۳۔ درس وتدریس:

درس وتدریس کا انتظام خانقاہ چشتیہ کا سب سے اہم حصہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ سے لے کر شاہ سلیمان تونسوی تک ہر ایک چشتی صوفی نے اپنی خانقاہ میں درس وتدریس کا ایک مثالی نظام قائم کیا۔ جہاں سینکڑوں طلباء کی علمی تشنگی کو ختم کرنے کے لیے صوفیہ حاضرِ خدمت ہوتے تھے۔ اور تاریخ کے بڑے بڑے مشاہیر نے ان خانقاہوں کے تدریسی نظام سے جنم لیا اور خانقاہی مدرسہ کے طلباء کے علاوہ عامۃ الناس بھی ان دروس سے مستفیض ہوتے۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلوی نے خانم بازار دہلی میں جو مدرسہ قائم کیا اُس کے متعلق صاحب شجرۃ الانواریوں لکھتے ہیں کہ :

''بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت می نمودند و سبق کتب بامی خواندند و نان و پارچہ نیز از سرکاری یافتند۔''(۱۷)

''یعنی بہت سے طلباء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علم حاصل کرتے اُن کو کھانا پینا اور کپڑا سرکاری ملتا تھا۔''

تدریس کے حوالے سے صوفیۂ چشت میں علم حدیث خاص طور پر بہت مقبول و محبوب تھا۔ اکثر علم الحدیث اور مصطلحات الحدیث پر دورس قائم ہوتے۔ صوفیۂ چشت اس وقت معاشرے میں بڑھتا ہوا بدعات کا رجحان دیکھ کر اس بات کی حقیقت کو جان گئے تھے کہ اب علم حدیث عام کیے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے علم حدیث کی طرف توجہ دی۔ ساتھ ساتھ فقہی مسائل کی جانکاری کو بڑھانے کے لیے علم فقہ کو ترویج بخشی۔ اور معاشرے میں وحدت الوجود کے نظریہ کی وجہ سے پائی جانے والی خرابیوں کا تدارک کرنے کے لیے دو اصول اپنائے۔

۱۔ تمام صوفیائے چشت کا یہ منہج رہا ہے کہ وحدت الوجود کے نظریاتی مباحث کو عوام کے سامنے زیر بحث لانے سے گریزاں رہتے۔ جبکہ خواص میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا اُصول یہ تھا کہ تدریسی نصاب میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا درس بھی دیتے تاکہ طلباء میں وحدت الوجود کے نظریہ کی وضاحت کی جاسکے۔اور خواص میں اس بات کا اہتمام کرتے تھے۔

شاہ کلیم اللہ کی طرح شاہ فخر الدین کو بھی علم حدیث سے خاصا لگاؤ تھا۔آپ نے اجمیری دروازہ میں جس مدرسے سے یہں تدریس کا کام شروع کیا وہاں صرف چند درسی کتابوں کو پڑھانے کے علاوہ حقائق و معرفت کے دریا بہائے جاتے تھے۔صاحب مناقب فخریہ رقمطراز ہیں کہ سید احمدؒ خود شاہ فخر الدین کی خدمت میں حاضر رہے اور اُن سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس سُنتے رہے اور مطالعہ کرتے رہے۔

''سید احمد خود صحیح مسلم در جناب اقدس تلمذی کنند و در خدمتِ حدیث مشعول اند و درس کتب معقول و منقول باشا گرداں می دھند و شب و روز مصروف بہ حکم مولانا تعلیم و تعلم۔''(۱۸)

''سید احمد خود شاہ فخر الدین کی خدمت میں صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے رہے خدمتِ حدیث میں مشغول رہے اور معقول و منقول کی کتابوں کا درس دوسرے شاگردوں کو دیتے رہے ہیں رات دن مولانا کے حکم سے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے۔''

صوفیۂ چشت کے تدریسی نصاب میں معقول و منقول علومِ کے ساتھ ساتھ جن علوم کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا تھا وہ احسان و تصوف اور سلوک ہیں۔ چنانچہ شاہ فخر الدین کے تدریسی کلچر میں روحانی اور باطنی اصلاح کا رنگ غالب تھا۔ایک ہی وقت میں دہلی میں شاہ فخر الدین دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے مدارس اپنے عروج پر تھے۔ مگر شاہ فخر الدین کے ہاں تصوف کا رنگ غالب تھا۔ سلوک اور باطن کے علم پر زور دیا جاتا تھا۔ شاہ فخر الدین کے مدرسے میں درس حدیث کا اہتمام رمضان میں بھی ہوتا تھا جبکہ رمضان میں اکثر مدارس علوم دینیہ میں چھٹی ہوتی تھی۔ لیکن یہ معمول آخری عمر میں منقطع ہو گیا کیونکہ شاہ صاحب تب معتکف ہو جاتے تھے۔اسی طرح خواجہ محمدؒ عاقل کو درس و تدریس کا بہت شوق تھا ان کی خانقاہ میں ایک وقت میں ۵۰۰ کے قریب طلباء کے رہنے، کھانے پینے، پہننے اور کتابوں کے حصول کے ساتھ ساتھ علاج معالجے کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شدا کی تشریف لائے تو وہاں بھی ایک خانقاہ تعمیر کی اور مدرسے کی بنیاد رکھی۔خواجہ صاحب کے ہاں جن کتابوں کا درس ہوتا تھا اُن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ مشکوۃ شریف	۲۔ احیاء العلوم
۳۔ صحیح بخاری	۴۔ لوئح و شرح قصیدہ
۵۔ سواء السبیل	۶۔ فصوص الحکم
۷۔ شرح ابن ماجہ	۸۔ ھدایہ
۹۔ شرح مواقف	۱۰۔ میر ھاشم

۱۱۔ شرح عقائد ۱۲۔ خیالی

۱۳۔ مطول وغیرھم

کتب کی یہ فہرست بتاتی ہے کہ صوفیۂ چشت نے زمانے کی نبض پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ زمانے میں موجود برائیوں کا تدارک کرنے والے ایک ہی وقت جامع المعقول والمنقول بھی ہوں اور ساتھ ہی روحانی تربیت سے آراستہ بھی ہوں تاکہ صفائی باطن کے ساتھ عقائد باطلہ کا رد کر کے دین کی ترویج کر سکیں۔

چنانچہ اس ضمن میں شاہ محمد سلیمان تونسوی بھی کسی سے کم نہں رہے۔ اپنے خاص مریدوں اور شاگردوں کو علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ احسان و سلوک کی کتابوں کا درس بھی دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے ملفوظات میں جابجا ان کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ جامع ملفوظ ایک جگہ راقم ہے کہ:

''حضرت قبلہ من در اثناء تعلیم کتاب احیاء العلوم ایں عباعت را بر زبان در فشاں راندند۔''(۱۹)

احیاء العلوم اور فتوحات کے علاوہ شاہ صاحب اپنے مریدوں کو کنزالد قائق اور کافیہ بھی خود پڑھاتے تھے چنانچہ حاجی چراغ دین نے بھی کافیہ اور کنزالد قائق شاہ صاحب سے ہی پڑھیں۔ صوفیہ چشت علوم الحدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ سلوک واحسان کے درس بھی قائم کرتے نظر آتے ہیں تاکہ معاشرے میں انفرادی تربیت کے بعد اجتماعیت کی طرف بڑھا جائے۔ صوفیۂ چشت کی ان تدریسی صلاحیتوں نے معاشرے میں ایک انقلاب شعور برپا کر دیا۔ لوگوں کو بدعات کا تصور ملنے کے بعد ان کے نتائج بد سے جانکاری ہوئی اور لوگ حدیث و علم حدیث کی طرف کوشاں ہوئے صوفیۂ چشت دراصل مجتہد اسے ہی گردانتے تھے جو علم الحدیث اور فقہ ہیں ماہر ہو۔ اور اُسی شیخ الحدیث کی رائے پر عمل کرتے تھے جو مجتہد بھی ہو۔

صوفیہ چشت ایک ہی وقت میں معاشرتی اصلاح کے لیے درس وتدریس کی طرف بھی کوشاں نظر آتے ہیں تو دوسری طرف تصانیف کا سلسلہ بھی جاری رکھتے۔ تاکہ دور دراز کے وہ لوگ جو ان کے مدرسہ میں حصولِ علم کے لیے نہیں آسکتے وہ تصانیف سے استفادہ کر لیں۔ اس ضمن میں شاہ فخر الدین دہلوی اور شاہ کلیم اللہ دہلوی کی تصانیف بہت مشہور ہیں۔ ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ رسالہ مرجیہ

۲۔ نظام العقائد

''یہ'' شاہ فخر الدین دہلوی کی وہ تصنیف ہے کہ جس میں عقائد روافض کا رد کیا گیا اور مسلم معاشرے میں موجود عقائد کے بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے اہل سنت کے عقائد کو صریحاً بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ فخر الحسن

شاہ صاحب کی وہ تصنیف جو انہوں نے شاہ ولی اللہ کے ایک قول کی تردید میں لکھی۔ شاہ ولی اللہ نے انتباہ میں یہ اعتراض کیا تھا سلسلہ چشتیہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک متصل نہیں ہے۔ کیونکہ خواجہ حسن بصریؒ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں روحانی خلافت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ نے قول الجمیل میں بھی لکھا کہ خواجہ حسن بصری کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ اعتبار تاریخ ثابت نہیں۔ شاہ فخر الدین نے فخر الحسن کتاب میں اس قول کی تردید کرتے ہوئے محدثانہ کلام کیا ہے۔ اور بتایا کہ حضرت حسن بصریؒ کو خلافت ملی اور یہ اعتراض غلط ہے۔ شاہ صاحب کی اس کتاب کو بہت مقبولیت ملی مولانا عبدالعلیؒ نے جب اس رسالے کا مطالعہ کیا تو فرمانے لگے کہ ہم احسن اعتقاد کے ساتھ جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے سچ ہے مگر جو تحقیق ان مولانا نے کی ہے یہ ہمیں معلوم نہ تھی۔ (۲۰)

شاہ رفیع الدین نے اس رسالہ کا جواب لکھنے کی کوشش کی مگر نہ لکھ سکے۔

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ بھی تصانیف کی طرف راغب نظر آتے ہیں چنانچہ معاشرتی اصلاح کے لیے ظاہری و باطنی علوم کی ترویج کے لیے اُن کی لکھی گئی کتب کی تعداد ۳۲ تک جا پہنچتی ہے جن میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ قران القرآن	۲۔ عشرہ کاملہ
۳۔ سواءالسبیل	۴۔ کشکول کلیمی
۵۔ مرقعِ کلیمی	۶۔ تسنیم
۷۔ الہامات کلیمی	۸۔ رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی باالفارسیہ
۹۔ شرح القانون	۱۰۔ رسالہ روافض

جس طرح سترھویں اٹھارھویں صدی میں علوم کے اعتبار سے معقول اور منقول علوم اور علوم ظاہریہ و عصریہ کا انتظام ہوتا تھا موجودہ دور میں اس حوالے سے تشنگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً آج مطول اور کافیہ کے ساتھ کمپیوٹر سائنس کی تعلیم اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی یکساں اہمیت کی حامل ہے۔ مگر خالصتاً درسگاہی نصاب تو خانقاہوں کے مدارس میں موجود ہے مگر موجودہ دور کی علمی ضرورتوں کو یہاں پورا نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی معاشرے میں علماء کی وہ کھیپ ان خانقاہوں سے ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔ چنانچہ مہار شریف، کوٹ مٹھن، تونسہ، چاچڑاں شریف اور دیگر چشتی خانقاہوں میں خانقاہی نظام کی باقیات تو کسی نہ کسی حد تک ملتی ہیں لیکن تعلیم و تعلم کا وہ منظم انتظام نہیں ملتا جو عصرِ حاضر کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہوا علماء و فضلاء کو سماجی خدمت کے لیے تیار کر سکے۔ موجودہ دور میں بھی وہی نصاب تعلیم رائج ہے اور وہ بھی چند ایک خانقاہوں پر توجہ دی جاتی ہے ورنہ زیادہ تر خانقاہوں میں مدارس ہی اب موجود نہیں۔ مثلاً اوچ شریف کسی وقت میں یونیورسٹی کا درجہ رکھتی تھیں مگر آج وہاں علوم دینیہ کی بھی درسگاہ باقی نہ رہی۔ اسی طرح سیال شریف کی درسگاہ سے علامہ محمد اشرف سیالوی جیسے لوگ نکلتے اور معاشرتی اصلاح کا کام کرتے تھے مگر آج درسگاہی علوم پر کوئی توجہ نہیں۔ جبکہ موجودہ دور میں زمانے کا مزاج کچھ مختلف ہے۔ عصرِ حاضر میں دو قسم کے سماجی رویے پائے جاتے ہیں جو لوگ عصری علوم کی طرف آگے بڑھتے ہیں وہ دینی علوم کو پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے اور جن مدارس اور خانقاہوں میں دینی

علوم کی ترویج کی جاتی ہے وہاں نصاب میں عصری علوم کو شامل نہیں کیا جاتا چنانچہ موجودہ دور میں ہم سترھویں اٹھارھویں صدی کے صوفیہ چشت کی خانقاہی درسگاہوں کے اصول سامنے رکھتے ہوئے مختلف معاشرتی مسائل پر قابو پا سکتے ہیں۔اس ضمن میں صوفیہ چشت کی تعلیمی فکر کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ ایک مربوط نصاب تعلیم رائج کیا جائے جس میں زمانے کی ضروریاتِ تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے سائنس کے مختلف شعبوں جیسے کمپیوٹر سائنس، ریاضی، کیمیا، فزکس، وغیرہ کے بنیادی نصاب کو شامل کیا جائے۔اور فلسفہ و منطق کے بہت سے ایسے علوم جن کی جگہ جدید نظریات نے لے لی ہے اُن کے نصاب کو مرتب کرنے میں موجودہ دور کی ضرورتوں کو سامنے رکھا جائے۔

۲۔ ہر خانقاہ کے ساتھ یونیورسٹی نہیں لیکن کالج کے لیول تک فری ایجوکیشن کا نظام موجود ہونا چاہیے جیسے کہ صوفیۂ چشت نے ان دو صدیوں میں کیا۔آج بھی اس نظام کے احیاء کی ضرورت ہے۔شاہ فخر الدین دہلوی نے جب لوگوں میں اخلاقی زبوں حالی کا مشاہدہ کیا تو جمعہ کے دن عربی خطبوں سے پہلے وہاں کی معاشرتی زبان میں خطبہ دینا شروع کر دیا۔تاکہ لوگوں کو شعور دیا جا سکے۔مگر آج زمانے کے تیور یکسر مختلف ہیں۔ہم معاشی طور پر ایک مغلوب قوم ہیں اور علوم ظاہریہ میں اس حد تک آگے نکل چکے ہیں کہ علوم دینیہ و باطنیہ کا حصول وقت کا ضیاع نظر آتا ہے ایسا باالعموم معاشرے میں پایا جاتا ہے۔اس معاملے میں حالات کی سنگینی موجودہ دور میں، دور کلیمی سے کسی حد تک زیادہ نظر آتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں صرف علوم دنیاوی اور ظاہری پر توجہ دی جاتی ہے۔جبکہ جس طرح ان خانقاہی مدارس سے جامع المعقول والمنقول لوگ نکلتے تھے آج بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ورنہ وہ وقت قریب ہے کہ جب ہم معاشرے میں اسلامی اقدار سے بالکل عاری انجینئرز ڈاکٹرز کی کھیپ کو دیکھیں گے۔فی زماننا علوم عصریہ، علوم جدیدیہ، اور علوم دینیہ میں ایک معتدل نظام دینے کی ضرورت ہے جس میں سائنسدان علماء پیدا کیے جا سکیں۔اس میں کوئی شک نہیں خانقاہی مدارس میں میڈیکل کالجز یا انجینئرنگ یونیورسٹیز کا قیام نہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کی ضرورت ہے لیکن میڈیکل کالجز اور انجینئرنگ یونیورسٹیز کے لیے ایسے طلباء کو تیار کیا جا سکتا ہے جو علوم دینیہ اور منقول علوم میں بھی مہارت رکھتے ہوں۔

۴۔ لنگر خانے:

صوفیۂ چشت کے لنگر خانے نہایت وسیع و عریض ہوا کرتے تھے۔یہ لنگر خانے دراصل ایک مکمل ویلفئر ٹرسٹ ہوا کرتے تھے۔لنگر خانے کے انتظام کے لیے ایک پورا محکمہ ہوتا تھا۔اور لنگر خانے کی جزئیات میں قیام و طعام کے ساتھ ساتھ علاج معالجہ کی بھی سہولت میسر ہوتی تھی۔لنگر خانے میں حجام، لوھار، موچی، دھوبی وغیرہ ماہانہ تنخواہ کے ساتھ موجود ہوتے تھے۔چنانچہ ہر چیز کا وسیع انتظام موجود ہوتا تھا اور درویشوں کو کسی بھی قسم کا احتیاج باقی نہ رہتا تھا۔بیمار ہوتے تو دوا لنگر خانے سے مفت ملا کرتی تھی۔

لنگر کا یہ قاعدہ رائج ہوتا تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملتی تھی چھ ماہ بعد کپڑے اور جوتے مِلا کرتے تھے۔اس کے علاوہ گھی، تیل اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کی جاتی تھیں۔جو مدرسین دن رات درس و تدریس میں مشغول ہوتے تھے ان کو مزید مراعات بھی ملا کرتی تھیں۔لنگر

خانے میں تمام تر سہولیات مہیا کرنے کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ مدرسین اور طلباء کو تمام ضروریات زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی توجہ اور مرکزیت کے ساتھ درس وتدریس کے کام کے لائق بنادیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ علماء کی ایک کثیر تعداد معاشرے میں فارغ التحصیل ہو کر نکلتی اور عوام الناس کی خدمت میں مشغول ہو جاتی۔ صوفیہ چشت کے لنگر خانوں کی وجہ سے فکر معاش سے بے نیاز معاشرت میں کثیر تعداد میں علماء و مشائخ نکلتے اور فروغ دین کا کام کرتے۔ ہندوستان میں مختلف جگہوں پر ہر خانقاہ میں لنگر خانہ ضرور موجود ہوتا تھا۔ جہاں ایک وقت میں ہزار طلباء تک کا بھی انتظام موجود ہوتا تھا۔ صوفیہ کے یہ لنگر خانے معاشرے کے اندر ویلفیئر ٹرسٹ کا کام کرتے جس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان لنگر خانوں کے اس وسیع و عریض انتظام کو دیکھ کر لوگ راغب ہوتے اور خاص طور پر غرباء کے لیے مفت تعلیم و تربیت کا منظم و مربوط نظام موجود ہوتا تھا۔ عصر حاضر میں لنگر خانہ کی وہ باقیات جزوی طور پر تو موجود ہیں لیکن کلی طور پر رائج کیے جانے کی ضرورت ہے تاکہ خانقاہی نظام کو منظم بنیادوں پر استوار کر کے ایسے علماء و فضلاء تیار کیے جاسکیں جو فروغ دین کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیں سکیں۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ صوفیاء نے شکست وریخت کی آندھیوں میں بھی خانقاہوں کی اوٹ میں اپنے مضبوط کردار اور توفیق الٰہی کے ساتھ پیغامِ رسالت کی شمع جلائے رکھی۔ وہ نہایت حوصلے، صبر اور سکون سے کفر کی تہذیب کے سامنے بند باندھے اسلامی تہذیب وافکار کو اگلی نسلوں تک منتقل کرتے رہے۔ لیکن اب صورت حال بالکل مختلف ہو گئی ہے۔ اب خانقاہی نظام کی چولیں ڈھیلی ہوتی نظر آرہی ہیں بلکہ اس کا وجود ہی منتشر ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ اس ادبار وانحطاط اور بے وقعتی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موجودہ خانقاہی ماحول میں متقدمین صوفیاء کا وہ مثالی اخلاق و کردار نظر نہیں آرہا جس سے ماحول جگمگاتا اور بدی کے اندھیرے چھٹتے تھے۔ سلف وصالحین کے اَدوار میں خانقاہیں رُشد و ہدایت کا مرکز تھیں اور وہاں لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوتی تھی، وہاں غریب اور پسے ہوئے طبقات کی پناہ گاہیں بھی تھیں، وہاں ان کی دل جوئی، غم خواری اور دکھ بانٹنے کے پورے سامان ہوتے تھے۔ تب خانقاہیں عوامی لنگر خانے بھی تھیں جہاں دو لقموں کو ترسنے والے پیٹ بھر کر کھاتے۔ وہ ایسے شفاخانے تھے جہاں بیماروں کو دعا کے ساتھ دوا بھی میسر آتی۔ وہاں نہ صرف ذکر سے سکونِ قلب کا سامان ہوتا بلکہ قرآن وسنت اور سلوک و تصوف کی تعلیم سے عقل و فکر اور قلب وروح کو جلا بھی ملتی تھی۔ غریبوں کے بچوں کو لباس، خوراک اور رہائش کے ساتھ ساتھ علم واخلاق کے زیور سے آراستہ کرنے کا بھی مکمل انتظام ہوتا تھا۔ تب خانقاہ ایک ہمہ گیر فلاحی ادارہ تھا۔

بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ خانقاہ کا وہ روحانی، فلاحی، تعلیمی اور تربیتی کردار فراموش کر دیا گیا ہے۔ اب تو لوگوں کا تعلق خانقاہ سے دعا، تعویذ، نذرانہ اور نذر و نیاز تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بے شمار خانقاہوں کے در و دیوار قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی آوازوں کو ترس گئے ہیں۔ رُشد وہدایت اور تعلیم و تعلم کی مسندیں ویران ہو گئیں کہ خانقاہ نشینوں کے مشاغل اور ترجیحات بدل گئیں۔ غریبوں، مجبوروں اور بے کسوں کے لیے دستِ شفقت وتعاون بڑھانے والے بڑے شہروں کی کوٹھیوں اور شاہی ایوانوں میں جا بسے۔

خانقاہ کے مقدس ادارے سے وابستہ تمام اہلِ فکر و دانش کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ انہیں یہ سوچنا ہے کہ قوم کو موجودہ خطرناک صورت حال تک پہنچانے میں خود ان کا اپنا کتنا کردار رہے۔ دوسروں پر الزام دھرنے کی بجائے اپنے حصے کی کوتاہیوں اور غلطیوں کے ادراک، اعتراف اور

ان کی تلافی وقت کا تقاضا ہے اور اسی میں خانقاہی نظام کی بقا کا راز بھی مضمر ہے۔ انہیں خود کو اپنے اَسلاف کے اَخلاق واَوصاف سے مزین کر کے خانقاہوں کے تعلیمی، تربیتی اور فلاحی کردار کا احیاء کرنا ہوگا۔ اس کارِ خیر کے لیے ان کے پاس نہ وسائل کی کمی ہے اور نہ جوہر قابل کی۔ بس اِحساسِ زیاں، عزمِ راسخ اور قوتِ عمل کی ضرورت ہے۔

References

1. Morad abadi Muhammad Hussain, anwar al arfeen, berealy, 430: 1290.
2. Sarhindi, shaikh ahmad, maktubat imam rabni, maktub number: 96.
3. Molwee Rahman ali, tazqra alma hind, dahli, 106: 1914.
4. Hussaini syed noor al deen, al tallibin, dahli, 82: 1300.
5. Hadi ali khan, monaqiba hafzia, lkhano, 131: 1354.
6. Imam aldeen, molana, nafa al salqeen (malfuzat khuwaja suleman tuniswi), lahour, ziya al quran pabilsharz, 74.
7. Haji Muhammad najam al deen, monaqib al mahbobin, Rampur: matbaw Muhammad hassan: 94.
8. Ahmad puri, khuwaja goll Muhammad, taqmila seer al wa liya dhali matbaw razwi, 135: 1312.
9. Bluchi molwi allah buskh, khatim suleman, lahour, 94: 1325.
10. Monaqib al mahbubin 94.
11. Ala Imran: 110.
12. Jalali ali bin usman, kshaf al mahjub, bab al tassuf, 2005.
13. Nafa al salqeen, 315.
14. Al hadid: 27.
15. Al bagdadi Muhammad bin adulrahman, Qatar: 243: 237.
16. Al qashiri mulim bin hajaj, rakam alhadis: 1401.
17. Fikhri molana Rahim buskh, shajratull noora, matbuwa dhali, 24.
18. Nizam al molk, monakib fikhriya, dhali 23: 1315.
19. Nafa al salqeen. 163.
20. Monakib, 207.